۸ اگست ۱۹۷۳ء

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲
فون نمبر ۲۹

ایڈیٹر

آل احمد سرور

اشاعت کی تاریخیں
۱، ۸، ۱۵، ۲۲

قیمت سالانہ چھ روپے
قیمت فی کاپی ۲۰ پیسے

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۲ | انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) | شمارہ ۲۰

اداریہ

انجمن کی کل ہند اردو کانفرنس

ہم یہ اطلاع دے چکے ہیں کہ دلی میں انجمن کی کل ہند کانفرنس دسمبر کے آخری ہفتے میں منعقد کرنے کے لئے ایک ابتدائی کمیٹی بن چکی ہے جس کے کنوینر جناب مالک رام ہیں۔ ابتدائی کمیٹی کی دعوت پر دہلی کے اردو دوستوں کا ایک اور اجتماع ۵ر اگست ۱۹۷۳ء کو غالب اکیڈمی نظام الدین دہلی کے ہال میں ہوا، جس میں کانفرنس کے سلسلے میں مزید انتظامات پر غور ہوا۔ اس جلسے میں دہلی کے اردو دوست خاصی بڑی تعداد میں موجود تھے اور ان میں مرکزی انجمن کی مجلس عام کے ممبر، ریاستی شاخ کے اہم عہدہ دار، دہلی کی متعدد ادبی انجمنوں کے نمائندے، ادیب اور اسکالر اور قومی کارکن سبھی شریک تھے۔ اس جلسے میں تین کمیٹیوں کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ مالی کمیٹی کے کنوینر دہلی کے ممتاز شہری جناب عشرت علی (؟) اتفاق رائے سے منتخب کئے گئے۔ انھیں اپنی کمیٹی کے ممبر نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ دوسری کمیٹی پبلسٹی کے لئے ہوگی۔ اس کے کنوینر مشہور ادیب اور صحافی جناب حیات اللہ انصاری ایڈیٹر "سب ساتھ" منتخب ہوئے۔ یہ بھی اپنی کمیٹی کے ممبر خود نامزد کریں گے۔ تیسری کمیٹی نمائش کی تفصیلات طے کرنے کے لئے مقرر کی گئی جس کے کنوینر ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ریڈر اردو دہلی یونیورسٹی منتخب ہوئے۔ انھیں بھی اپنی کمیٹی کے ممبر نامزد کرنے کا اختیار دیا گیا۔ یہ بھی طے ہوا کہ یہ کمیٹیاں فوراً اپنا کام شروع کردیں اور باقی کام کے لئے کمیٹیاں استقبالیہ کمیٹی بنائے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، استقبالیہ کمیٹی کی ممبری کی فیس دس روپے رکھی گئی ہے اور اس کے پانچسو ممبر بنانے کی تجویز ہے۔ دہلی میں پانچسو ممبر بنانا کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ کانفرنس کے لئے عطیات کا اعلان شروع ہوگیا ہے، چنانچہ صدر مرکزی انجمن پنڈت آنند نرائن ملاؔ نے پانچ سو روپے کے عطیے کا اور جنرل سکریٹری مرکزی انجمن نے سو روپے کے عطیے کا اعلان کیا ہے۔ کانفرنس کے اخراجات کا اندازہ دس ہزار روپے کیا گیا ہے اور توی امید ہے کہ یہ رقم بہت جلد جمع ہو جائے گی۔

کانفرنس میں انجمن کی ریاستی شاخوں کے نمائندے مقررہ تعداد میں ہوں گے۔ اس کے علاوہ اردو کے ممتاز ادیبوں اور دوسری ادبی انجمنوں کے نمائندے بھی مدعو کئے جائیں گے۔ تفصیلات برابر ہماری زبان میں شائع ہوتی رہیں گی۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ کانفرنس ہر طرح نمائندہ ہوگی اور اس میں اردو زبان و ادب کی ترقی کے لئے ایک مثبت پروگرام بن جائے گا۔ چونکہ عنقریب گجرال کمیٹی کی رپورٹ

شایع ہونے والی ہے اس لئے اس کانفرنس میں اس پر بھی اظہار خیال ہوگا اور انجمن کے موقف کی روشنی میں اس کی سفارشات کا جائزہ لیا جائے گا۔

ہماری زبان اور انجمن کی شاخیں

ہماری زبان انجمن کا آرگن ہے۔ ریاستی اور مقامی شاخوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی خریدار ہوں تاکہ انھیں پورے ملک میں انجمن کی سرگرمیوں کا اور اردو تحریک کی رفتار کا علم ہوتا رہے۔ ہم نے ریاستی شاخوں اور مجلس عام کے ممبروں کو اس کی اشاعت میں توسیع کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس اپیل کا کچھ نتیجہ نکلا ہے۔ مگر ضرورت ہے کہ عام طور پر ریاستی اور مقامی شاخیں اس سلسلے میں اپنے فریضے کو محسوس کرکے اخبار کی خریدار ہوجائیں اور اپنے حلقے میں اخبار کے خریدار بھی بڑی تعداد میں بنائیں۔ ہماری زبان اپنی نوعیت کا واحد پرچہ ہے جس میں اردو زبان وادب کے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں جو تحقیقی اور تنقیدی مضامین اور تبصرے شائع ہوتے ہیں ان کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ ہم ایک بار پھر ریاستی اور مقامی شاخوں اور ہماری زبان کے عام خریداروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اخبار کے نئے خریدار بنائیں تاکہ انجمن اور اردو کی آواز اور زیادہ وسیع حلقے تک پہنچے۔

پیغام حیات

ریورنڈ ہنیسن ریحانی کی کتاب "پیغام حیات" جو ہندوستانی مسیحی شعرا کا ایک تذکرہ ہے شایع ہوگئی ہے اور ذیل کے پتے پر مل سکتی ہے۔

زندگی کا نور۔ پوسٹ باکس ۱۲۵ حیدرآباد، اے پی

• ریحانی

ادراک کی اشاعت

جناب شمیم احمد کے مضامین کا مجموعہ "ادراک" مرٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد کی مالی امداد سے شائع ہوگیا ہے۔ قیمت بارہ روپے۔ ملنے کا پتہ دکن پبلشرز۔ اورنگ آباد مہاراشٹر اور مکتبہ جامعہ دہلی، بمبئی، علی گڑھ۔

• نامہ نگار

علامہ خضر برنی کا نیا مجموعہ کلام

جناب خضر برنی کا نیا مجموعہ کلام "عطر گل" شائع ہوگیا ہے۔ اس مجموعہ میں رومانی غزلیں قومی نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔

قیمت صرف پانچ روپے ہے۔ ملنے کا پتہ یہ ہے۔

ادبی سنگم، جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

• نامہ نگار

کچھ ورق

ڈاکٹر ظفر الاسلام ظفر کی منتخب منظومات کا مجموعہ "کچھ ورق" "سپر بک ایجنسی، کھانہ روڈ، بھیونڈی ضلع تھانہ" کے زیر اہتمام عنقریب شائع ہو رہا ہے۔

• محمد افتخار

گلہائے عقیدت

ٹونک کے موجودہ ۲۹ شعراء کی طرحی نعتیہ غزلوں کا مجموعہ کتابی صورت میں "گلہائے عقیدت" کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔ اس کو سید منظور الحسن برکاتی لیکچرار دار العلوم خلیلیہ ٹونک نے ترتیب دیا ہے۔

ذیل کے پتے سے بغیر کسی قیمت کے صرف مصارف ڈاک بھیج کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔

حضرت مراد سعیدی۔ محلہ رحیمن۔ ٹونک راجستھان۔

• سید منظور الحسن برکاتی۔ سکریٹری

ذکر رفیع

ان مقالات و نظموں کا مجموعہ ہے، جو جناب مرزا رفیع اللہ بیگ صاحب صدر میونسپل کانسل ٹونک کی خدمات کے اعتراف میں "جشن رفیع" کے موقع پر پڑھی گئی تھیں۔ اس کو مولانا سید قاضی الاسلام نے ترتیب دیا ہے۔ اور اس میں علمی، ادبی اور سیاسی سرگرمیوں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

• نامہ نگار

گورنمنٹ کالج کوٹے سے اردو میگزین کا اجراء

گورنمنٹ کالج کوٹے کے میگزین میں سنسکرت، انگریزی اور ہندی کے ساتھ اب اردو کا حصہ بھی شامل کیا گیا ہے اس حصہ میں جگر بریلوی صاحب کے صاحبزادے جناب موہن رائے لیکچرار شعبہ انگریزی اور ڈاکٹر پریم بھٹناگر شعبہ ہندی کے مضامین قابل ذکر ہیں۔

• نامہ نگار

ڈاکٹر سعید الودود

شاد عارفی کا فن

(چند وضاحتیں)

شاد عارفی کے فن کو پرکھنے اور ان کی قدر و قیمت کا تعین کرنے کی کوشش بہت بعد میں کی گئی۔ ان کے غیر تقلیدی انداز سے ناقدین واقف تھے لیکن انھیں نظرانداز کیا گیا۔ انھوں نے غزلیں بھی لکھیں اور نظمیں بھی۔ غزل گو کی حیثیت سے انھیں کیوں اہمیت دی جاتی کیوں کہ اردو غزل کے چار ستون، حسرت، اصغر، فانی اور جگر تصور کر لیے گئے تھے اس فہرست میں فراق کا بھی اضافہ ہوگیا۔ ان میں سے ہر ایک منفرد رنگ و آہنگ کی وجہ سے امتیازی حیثیت رکھتا ہے لیکن کاروانِ غزل کو آگے بڑھانے اور غزل کو مقبولِ عام بنانے والوں میں حسرت، جگر اور فراق کے نام ہی لیے جا سکتے ہیں۔ اصغر و فانی منفرد غزل گو ضرور ہیں لیکن غزل کے ارتقاء میں ان کے تعاون کی وہ حیثیت نہیں ہے جو حسرت، جگر و فراق کی ہے۔

غزل گو کی حیثیت سے حسرت کو کچھ زیادہ ہی اہمیت دی جاتی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ حسرت کی اہمیت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ انھوں نے اردوئے معلی کے ذریعہ اور شعراء کے انتخابات شائع کرکے، اس غلط فہمی کو دور کیا جو غزل اور غزل گو شاعروں کی طرف سے پیدا ہوگئی تھی۔ حسرت جدید غزل کے امام، اپنی غزلوں سے نہیں بلکہ اپنے ناقدانہ شعور سے بنے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر تحریک کا بانی یا نقاد اچھا شاعر بھی ہو۔ ہمارے بہت سے ناقدین شاعر بھی ہیں لیکن بحیثیت شاعر زیادہ اہم نہیں، حالانکہ ان میں سے ہر ایک نے ذہنوں کو نئی روشنی دی ہے اور مشعلِ راہ بنے ہیں۔

ایسا شاید ہی کوئی خوش قسمت فن کار ہو، جس کے صرف مداح ہوں اور نکتہ چیں کوئی نہ ہو۔ شاد عارفی کے بارے میں بھی متضاد خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ انھیں طنز نگار کی حیثیت سے اہم سمجھتے ہیں اور کچھ انھیں طنز نگار ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ان کی اہمیت کے منکر ناقدین غالباً اس وجہ سے بھی ان کے فن کی صحیح قدر و قیمت کا تعین کرنے سے معذور رہے ہیں کیوں کہ ان کا مکمل سرمایۂ شاعری ابھی تک شائع نہ ہو سکا۔ نمونتاً ان کی چند نظموں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے۔

"آج کل" (فروری ۱۹۷۲ء) میں بلراج کومل کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ انھوں نے بالکل ہی مختلف انداز سے شاد عارفی کی شاعری کا تجزیہ کیا تھا۔ موصوف بھی انصاف نہ کر سکے۔ بلراج کومل کے مضمون کی اشاعت کے بعد شاد عارفی کی نظموں کا مجموعہ "شوخیٔ تحریر" (مرتبہ مظفر حنفی) شائع ہوا۔ اس مجموعہ کے مطالعہ کے بعد یہ محسوس ہوا کہ جب تک شاد عارفی کا مکمل سرمایۂ شاعری شائع نہیں ہو جاتا اس وقت تک ان کے فن کے ساتھ انصاف ممکن نہ ہوگا۔ "شوخیٔ تحریر" انتخاب ہی ہے لیکن اس سے شاد عارفی کے فن کے مختلف پہلو نمایاں ہو جاتے ہیں اور بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے۔

بلراج کومل کا خیال ہے کہ شاد عارفی کا "طنز نگار کا رول نہایت مشکوک ہے اور محض اسلوب کا لطف اور چٹخارہ ہے۔" انھوں نے ایسی نظموں کی نشاندہی بھی کی ہے جہاں بقول بلراج کومل شاد کی شخصیت کے تضادات ابھرتے ہیں اور جنسی بے راہ روی پر معترض شاد خود اس کا شکار نظر آتے ہیں۔ نمائش نمبر ۱، ۲، کشمیری بھکارن، بال روڈ، مرے محلے کے دو گھرانے، بالا زادیاں، دلال، عتراف، شوقِ اور دوسری نظموں میں شاعر نے کسی نہ کسی طرح جنسی تعلقات کا ذکر کیا ہے۔ بلراج کومل ان نظموں کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ سب "غیر حقیقی" ہے۔ اس لئے کہ یہ سب شاد کی محرومی کا نتیجہ ہے اور شاد کی جو تصویر ان نظموں سے بنتی ہے وہ دوسری نظموں سے پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ یہ نظمیں بلراج کومل کے نقطۂ نظر سے 'کاثرہ داستہ' دیوانی اور دشمیرہ داستان ہیں۔ بلراج کومل نے جس انداز سے شاد کا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بلراج کومل کے نقطۂ نظر سے جنسی بے راہ روی پر اعتراض کرنے والے شخص کی حسِ لطیف بھی مردہ ہوتی ہے۔ اس لئے وہ شاد کی ایسی نظموں کو جو حسِ لطیف کا اظہار ہیں، جنسی سمجھ لیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ شاد عارفی کی ان دونوں ہی قسم کی نظموں کی فضا ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف ہے۔ اول الذکر قسم کی نظمیں سماج کے کھناؤنے تضاد کو بے نقاب کرتی ہیں دوسری قسم کی نظموں میں جنسی جذبہ کی آلودگی نہیں بلکہ ایک جمالیاتی فضا ہے۔

ایسا بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ شاد عارفی ہر عورت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ جنسی بے راہ روی پر ضرور معترض ہیں۔ اس اختلاط پذیر سماج میں جس میں وہ سانس لے رہے تھے، جنسی بے راہ روی عام تھی۔ شاد نے جو کچھ دیکھا اپنی نظموں میں پیش کیا۔ یہ کہنا بھی مناسب نہیں کہ شاد مسلمانوں کے اخلاقی نظام کو معاشرے کے لیے مثالی سمجھتے تھے۔ ان کی مخاطبت زیادہ تر مسلم معاشرے سے ہے لیکن اس سے اس

نتیجہ پر پہنچنا غلط ہے کہ وہ مسلمانوں کے اخلاقی نظام کو سب پر عائد کرنا چاہتے تھے۔ بلراج کومل نے ایک جگہ لکھا ہے کہ

"مسلمان گھرانوں کی لڑکیاں اگر تعلیم
حاصل کرلیں، آزادی سے سماج کے دوسرے
لوگوں سے ملیں اور اپنی مرضی سے شادی
کرلیں تو وہ یقیناً کسی اخلاقی جرم کا ارتکاب
نہیں کرتیں۔"

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاذ عارفی نے یہ کہاں کہا ہے کہ ایسا اقدام جرم ہے۔ اس معاملہ میں تو وہ کافی روشن خیال ہیں۔ ان کی کئی نظموں میں ذہنی آزادی کی خواہش جھلکتی ہے اور وہ سماج کے بدھنوں پر اظہارِ تاسف کرتے نظر آتے ہیں۔ سماج اس موضوع پر بہت ہی مکمل نظم ہے۔ اس نظم سے شاذ عارفی کے بارے میں تائم کی گئی غلط رائے کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ نظم کا پہلا بند ہے ؎

دھر اہوا ہے جہالت کا سر پہ تاج ابھی
نہیں عروس کی آزادیوں کا راج ابھی
دلوں کے بھید سے واقف کہاں سماج ابھی
مجبتوں میں تباہی کا ہے رواج ابھی
جو فرضِ عشق اطاعت پہ حسرتیں تج دو
تو والدین کی مرضی پہ زندگی تج دو

اس نظم کا آخری بند ہے ؎

"سماج" ہم پہ تو یہ ظلم کر چکی لیکن
وہ آگیا ہے زمانہ قریب ہے وہ دن
جہاد کے لئے اٹھیں گے نوجواں ہم سن
بجے گی چار طرف سیلِ جذبۂ باطن
نہ ہو سکے گا کہیں "اختیارِ نفس" پہ جبر
کرے گا اپنی حماقت پہ اذنِ بیجا صبر

بلراج کومل نے ایک نظم "نصف بہتر" پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاذ عارفی بیوی کے طور پر وہ عورت پسند کرتے ہیں جو مغربی طرز کی غلاظتوں سے پاک ہو، معمولی طور پر خواندہ ہو، گھر گرہستی کے کام کر اپنی مختصر زندگی بھی ہو اور شاذ عارفی کے اپنے الفاظ میں "ذہنِ آزادی بے باک سے قطعاً خالی" ہو ۔ ۔ ۔ ۔ ہمارا خیال ہے کہ غالباً شاذ عارفی کی ایک دوسری نظم "رسمی قید خانے" بلراج کومل کی نظر سے نہیں گزری، ورنہ وہ یہ رائے قائم نہ کرتے۔ "نصف بہتر" اور "رسمی قید خانے" ایک دوسرے سے بالکل ہی مختلف اور متضاد نظر آتی ہیں، لیکن یہ ظاہری صورت حال ہے، حقیقی نہیں۔ شاذ عارفی کی ایسی نظموں (نصف بہتر اور دوسری نظموں) میں ایک قسم کی تہ داری ہے۔ بظاہر وہی مفہوم ذہن میں آتا ہے جو بلراج کومل نے سمجھا ہے، لیکن اس کے پس پردہ ان لوگوں پر گہرا طنز ہے، جو اس پر نازاں ہیں ؎

فخر ہے مجھ کو کہ جاہل ہے مری گھر والی
ذہنِ آزادی بے باک سے بالکل خالی

اور اگر ہم اسے شاذ عارفی کا فخر یہ مان بھی لیں تو کم از کم وہ دو باتیں قابلِ ذکر ہیں، جن سے وہ "جاہل گھر والی" پر فخر کرتے ہیں، انھیں کھوکھلی ترقی پسندی پسند نہیں ؎

؎ دختریاں ہیں مری دانست میں کنواری کی سنک
؎ نئی تعلیم کا منشا ہے کہ سوتے پہ نکل

ذہنِ آزادی بے باک "سے خالی ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ذہن و شعور اور عقل و فہم سے خالی عورت ہی شاعر کے نزدیک آدرش عورت ہے۔ اس نظم میں سب سے زیادہ اہم لفظ "بے باک" ہے۔ یہ لفظ بے خوفی کے مترادف نہیں ہے بلکہ بے حیائی کا ہم معنی ہے۔ جس قسم کی بے حیائی انھیں پسند نہیں ہے وہ یہ ہے ؎

نیا ہو کہ نمائش ہو کہ عید کوئی
جیسی ہیں ان کو مبارک ہو جاتی ہیں وہاں
غیر مردوں میں نقابیں جو اٹھاتی ہیں وہاں
اپنے جوبن کو تماشا جو بناتی ہیں وہاں
کیا سند ہے کہ نہ سرتا ہو جھمیلا کوئی

نقاب اٹھانے سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے کہ وہ پردے کی سخت پابندی ضروری سمجھتے تھے۔ وہ یقیناً ہی برقع پوش مسلم خواتین سے مخاطب ہیں لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شاذ نقاد اٹھانے کو ہی اچھا نہیں سمجھتے۔ ان کا نشانہ تو ایسی عورتیں ہیں، جو خود کو تماشا بنانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اور دعوتِ نظارہ ہی نہیں بلکہ پیامِ الفت بھی دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا پیامِ الفت پاکیزگی احساس سے خالی ہوگا، یہی بات شاذ عارفی کو پسند نہیں۔

"رسمی قید خانے" کا جائزہ لئے بغیر نصف بہتر کو اچھی طرح نہیں سمجھا سکتا۔ بلراج کومل نے "نصف بہتر" کے مطالعہ سے جو غلط رائے قائم کی ہے اس کا ازالہ رسمی قید خانے سے ہوجاتا ہے۔ اس نظم میں طنز نہیں ہے۔ یہ نظم جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، پردہ کی مخالفت میں ہے۔ وہ اس پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ رسمی قید خانوں میں مقید عورتوں کی دنیا بڑی محدود ہوتی ہے۔ خانہ جنگی اور ہرزہ کاری ان کا شیوہ ہے۔ ان کی نظر کی وسعتیں محض گوٹا کناری تک محدود ہوتی ہیں۔ جب کہ شاعر یہ چاہتا ہے ؎

ہلالِ عید سے ان کی جبیں جگمگا دیں ہم
تفکر کے پر دل میں شرپر جودت جگادیں ہم
دلوں سے تیرگی آنکھوں سے کم بینی مٹادیں ہم
جنہیں دل میں انھیں ملبوس رنگیں دیں نہ لگنا دیں
مگر آزادی برحق کے چندن ہار پہنا دیں
وہ مائیں جن کے بچے قوم کی زینت کہاتے ہیں
وہ بہنیں جن کے بھائی قوم کی زینت کہاتے ہیں
حقوقِ واقعی سے ہم جنہیں محروم پاتے ہیں
نہ روکیں ان کو بیکار عمل میں ساتھ آنے سے
نہ ٹوکیں شوق میں آزادیوں کے گیت گانے سے

"رسمی قید خانے" کا مطالعہ کرنے کے بعد جب "لطف بہتر" کے اس مصرعہ پر نظر جاتی ہے کہ

"فخر ہے مجھ کو کہ جاہل ہے مری گھر والی" تو

یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مصرعہ سکون و اطمینان اور تشکر کا اظہار نہیں ہے۔ بلکہ اس معاشرہ پر طنز ہے، جس میں غیر ضروری بے باکی کو "آزادیِ ذہن" کا نام دیا جاتا ہے۔

جنسی بے راہ روی، رؤسا و امراء کی عیش پسندی، بے عملی اور تساہلی، شاد عارفی کی زیادہ تر نظموں کا موضوع ہیں۔ وہ اپنے اردگرد سے ہی تخلیق کا مواد حاصل کرتے ہیں۔ ان میں یقیناً ذاتی حملے بھی ہیں لیکن ان کے فن کی یہ خوبی ہے کہ وہ ذاتیات پر حملہ کرکے بھی تخلیق کو "ہجو" بننے سے بچا لیتے ہیں۔ ان اونچے اونچے محلوں میں" اور "رنگیلا راجہ کی موت" میں رؤسا و امراء کی زندگی پر گہرا طنز ہے۔ خوشامد پسند اور بزدل لیکن زعم جواں مردی کا اظہار کرنے والے بے نقاب نظر آتے ہیں۔ جنسی بے راہ روی اور ہوسناکی امراء و رؤساء کی زندگی کا لازمی جز رہی ہے۔ شاد عارفی اس پہلو کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے، خوش سلیقہ شاد ایسے مقامات پر علامتوں کے سہارے آگے بڑھتے ہیں۔ وہ جن الفاظ پر زور دینا چاہتے ہیں یا علامت کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں انھیں "واوین" میں لکھ دیتے ہیں۔

شاد عارفی کے عہد کی شاعری اجتماعی مسائل کی شاعری ہے، وہ یہ مسائل نظر انداز نہ کر سکے۔ رنگیلا راجہ کی موت لکھتے وقت ان کے سامنے شاید صرف ریاست رامپور ہی رہی ہو لیکن ہندوستان کی دوسری ریاستوں کا ماحول کچھ مختلف نہ تھا۔ تحریک آزادی ایک طرف انگریزوں کے خلاف تھی تو دوسری طرف دیسی ریاستوں کے باشندے بھی آمریت کے خلاف صف بستہ ہو گئے۔ راجہ، مہاراجہ اور نواب بے بس ہو کر رہ گئے۔ ان میں اس بیداری کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی۔ "رنگیلا راجہ" شاد کی نظر میں ایک ہی ہے لیکن حقیقتاً وہ ایک نہیں ہے۔ اس جیسے کتنے ہی "رنگیلے" سارے ملک میں تھے لیکن ان کی رنگین زندگی دم توڑ رہی تھی۔ رنگیلا راجہ بے بس ہے وہ بدلے ہوئے حالات سے پریشان ہے۔ اس نظم میں ایک طرف محلوں کا ماحول ہے اور عیش و عشرت سے بھرپور معاشرہ کی تصویر پیش کی گئی ہے تو دوسری طرف پریشان حال راجہ کی جھنجھلاہٹ ہے۔ اسے اپنے کالے کارنامے یاد آتے ہیں ؎

یہ وہ کنواریاں جو ٹرا دی گئی تھیں
اڑا دی، سلادی، چھپا دی گئی تھیں
چھپا دی مٹادی جلادی گئی تھیں
جلادی دبادی، بہادی گئی تھیں
چھپا یک ارادوں سے للکارتی ہیں
مرے حال پر قہقہے مارتی ہیں

ان کی مختصر نظمیں زیادہ کامیاب ہیں۔ شاد عارفی نے طویل نظمیں بھی لکھی ہیں لیکن وہ ان نظموں میں مختصر نظموں کا سا تاثر نہ پیدا کر سکے۔ طول طویل نظموں کے لئے جوش بھی مشہور ہیں لیکن جوش کو زبان و بیان پر جو قدرت حاصل ہے اس سے شاد عارفی محروم ہیں۔ رنگیلا راجہ جس طرح اپنی غلطیوں اور مظالم کا اعتراف کرتا ہے وہ نامناسب نظر آتا ہے اس سے نظم کا مجموعی تاثر مجروح ہوتا ہے ؎

وہ سب ظلم کی ٹہنیاں پھل چکی ہیں
بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈھل چکی ہیں

رنگیلا راجہ خود مجاہدین آزادی کو وطن کے پجاری کہتا ہے۔ یہ مجاہدین آزادی حقیقتاً اس کے دشمن ہیں۔ اپنے دشمنوں کو وطن کے پجاری کہنا کچھ مناسب نظر نہیں آتا۔ یہ طرز اظہار غیر فصیح ہے۔ شاد عارفی کی اکثر نظموں میں ایسی خامیاں نظر آتی ہیں ؎

بڑھے آ رہے ہیں وطن کے پجاری
نظر آ رہی ہے شرارت تمہاری

شاد عارفی آمرانہ جاگیردارانہ نظام کے ہی ناقد نہیں تھے۔ انھوں نے نہ صرف جنسی بے راہ روی پر اظہار خیال کرنا ہی کافی سمجھا۔ معاشرہ کے مختلف مسائل پر ان کی نظر تھی آزادی کی تحریک صرف سیاسی آزادی کی تحریک نہ تھی بلکہ معاشی و اقتصادی آزادی کی تحریک بھی تھی۔ ان مسائل پر لکھی گئی زیادہ نظموں میں خطابت کا جوش اور انقلابی لب و لہجہ ہے۔ شاد عارفی نے پس ماندہ طبقات کے افراد کے قصیدے نہیں لکھے بلکہ ان کی حقیقی تصویر بہت ہی موثر انداز میں پیش کی۔ نظم "روٹی" عنوان سے زیادہ اہم نظر نہیں آتی لیکن مزدوروں پر لکھی گئی نظموں کا جائزہ لیتے ہوئے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بڑی خوبصورت طنزیہ نظم ہے۔ اس نظم کا ایک شعر ہے ؎

(باقی صفحہ ۸ پر)

مراسلات

ہمدردانِ اردو کے نام کھلا خط

پیاری بہنو اور بھائیو!

اردو کی بقاء اور ترویج کے لئے حکومت نے چند مراعات دی ہیں۔

ہمیں اگر اردو سے محبت ہے تو ہمیں اس کے لئے کچھ عملی کام کرنا چاہیئے۔ اپنے حلقہ کا صرف ایک اسکول لے لیجئے اور اس میں دیکھئے کہ اردو کی پڑھائی شروع ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر پڑھائی میں کوئی رکاوٹ ہے تو ادارے کے اراکین سے ملئے اور مقامی طور پر اس کو عمل کرانے کی کوشش کیجئے۔ اگر وہ مسائل حل نہ ہوسکیں تو انجمن خدمت کے لئے حاضر ہے۔

اس وقت سب سے بڑا مسئلہ کورس کی کتابوں کا ہے۔ جو اکثر شہروں کے بازاروں میں عنقا ہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سرکار نے چند چھاپے خانوں کے مالکوں نیز کتب فروشوں کو کورس کی کتابوں کی چھپائی کا ٹھیکہ دیدیا ہے۔ اور توقع کی ہے کہ مختلف شہروں کے کتب فروش ان کتابوں کو منگا کر مقامی بازاروں میں فروخت کردیں۔

انجمن ترقی اردو اترپردیش نے محکمہ تعلیم سے درخواست کی ہے کہ وہ ان چھاپے خانوں اور کتب فروشوں کے نام عوام کی اطلاع کے لئے اخباروں میں شایع کرادیں تاکہ کتب فروش نیز عوام کتابیں منگا سکیں۔ اطلاعاً تحریر ہے کہ زیادہ کتابیں خریدنے پر کمیشن بھی ملتا ہے۔

ہمدردانِ اردو سے درخواست ہے کہ وہ مقامی بازاروں میں کتابیں نہ ملنے کی وجہ سے مایوس نہ ہوں، بلکہ کتابوں کی فراہمی کا ذمہ خود لے کر بچوں کو کورس کی کتابیں وقت پر مہیا کردیں۔

سرکاری افسران نے اطلاع دی ہے کہ درجہ اوّل سے لے کر درجہ آٹھ تک کا مکمل کورس اردو میں شایع ہوچکا ہے۔

اترپردیش - یاسمین قاسمی(؟) ۔ سلطانہ حیات نائب صدر

اردو میں اصطلاح سازی کا کام

ترقی اردو بورڈ کے زیر اہتمام مختلف مضامین میں اصطلاح سازی کا کام بھی کیا جارہا ہے۔ اب تک تقریباً ۹۶ ہزار اصطلاحیں تیار ہوچکی ہیں۔ طباعت و اشاعت سے قبل ان اصطلاحات کو آخری شکل دینے کے لئے ہم ان کے بارے میں ماہرین کے تاثرات اور ان کی آراء جاننا چاہتے ہیں۔ خاص طور پر علم طبعیات، کیمیا، نباتات، حیوانات، ارضیات، احیاب و حسابیات کی اردو اصطلاحات کے بارے میں ان علوم کے ماہرین کے تاثرات و آراء مطلوب ہیں۔ جو حضرات دلچسپی رکھتے ہوں وہ یہ اصطلاحات اس پتہ سے حاصل کرسکتے ہیں۔ جیورو فار پروموشن آف اردو، ترقی اردو بورڈ، وزارت تعلیم و سماجی بھلائی، ویسٹ بلاک ۷، آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی ۲۲۔

کلیات اکبر الہ آبادی کے ایک نسخہ کی ضرورت

اردو نصابی کتب کے اشاعتی پروگرام کے تحت ترقی اردو بورڈ کے زیر اہتمام چند کمیاب دواوین کی اشاعت بھی عمل میں لائی جارہی ہے۔ اس خصوص میں کلیات اکبر الہ آبادی (نسخہ مرتبہ عالم پریس) کا ایک نسخہ مطلوب ہے۔ اگر کسی صاحب کے پاس دستیاب ہو تو ذیل کے پتہ پر روانہ فرما کر قیمت طلب کریں۔

پتہ: پرنسپل پبلیکیشن افسر بیورو فار پروموشن آف اردو
ترقی اردو بورڈ ویسٹ بلاک ۷۔ راما کرشنا پورم
نئی دہلی ۔ ۲۲

نئی دہلی ۔ ابوالفیض سحر

مجوزہ اقبال نمائش سری نگر

مجھے اقبال نمائش کی تکمیل کے سلسلے میں اقبال کے مندرجہ ذیل اساتذہ کی تصاویر درکار ہیں:۔

ڈاکٹر میکٹیگرٹ DR. MCTAGART

پروفیسر وائیٹ ہیڈ PROF. WHITE HEAD

یہ دونوں تصاویر میرے پاس تھیں لیکن بدقسمتی سے بعض نادر کتابوں کے ساتھ دہلی میں دیمک کی نذر ہوگئیں۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ تصاویر موجود ہوں تو از راہ کرم مجھے چند دنوں کے لئے بھجوادیں میں ان تصاویر کی تصاویر لے کر اصل واپس بھیج دوں گا۔ اس سلسلے میں اگر کسی ایسے رسالے یا کتاب کی نشاندہی ہوسکے جس میں یہ تصویریں موجود ہوں اور وہ کتاب یا رسالہ لائبریری سے باہر نہ آسکتا ہو تو بھی فوٹو لینے کا انتظام کیا جاسکتا ہے دونوں صورتوں میں میں اطلاع کا منتظر رہوں گا۔

میونخ یونیورسٹی (جرمنی) میں پروفیسر ڈاکٹر ناسٹ FRAU PROF. WEGENAST اور پروفیسر سینے شال FRAU PROF. SENESCHAL اقبال کی استاد تھیں۔ پروفیسر لین رین FRAU LEIN RANN کی زیر نگرانی اقبال نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے تھیسس لکھا تھا۔ ان تینوں کی تصاویر بھی مجھے کوشش کے باوجود دستیاب نہیں ہوسکیں۔ اس سلسلے میں بھی اگر کوئی صاحب نشاندہی کرسکیں تو ممنون ہوں گا۔ دیگر عطیہ فیضی کی کتاب میں پروفیسر سینے شال کی تصویر موجود ہے لیکن وہ اس قدر ناقص ہے کہ اس کا BLOW-UP تیار کرنا قریب قریب ناممکن ہے تصویر کی نشاندہی کرنے والے حضرات اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ تصویر ENLARGEMENT

کے قابل ضرور ہو)

یہاں میں یہ عرض کردوں کہ اس وقت تک نمائش کے جو گوشے مکمل ہو چکے ہیں ان کے عنوانات یہ ہیں :-

۱۔ اقبال کی کہانی تصویروں کی زبانی
۲۔ اقبال اور ان کا خاندان
۳۔ ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف اسد
۴۔ اقبال اور مسجد قرطبہ
۵۔ دو دوست ۔ علامہ اقبال اور مہاراجہ سرکشن پرشاد
۶۔ اقبال کی مرتب کردہ درسی کتب
۷۔ مطبوعاتِ اقبال کے اولین ایڈیشن
۸۔ اسکول اور یونیورسٹی میں اعزازات
۹۔ یادگار مشاعرہ
۱۰۔ پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر
۱۱۔ اسلامی طرز کے پسندیدہ نام
۱۲۔ اقبال کی اردو تحریریں (بخط اقبال)
۱۳۔ اقبال کے اردو خطوط (" ")
۱۴۔ "سلام و پیام" پر اقبال کا خط (بخط اقبال)
۱۵۔ اقبال کے انگریزی خطوط (بخط اقبال)
۱۶۔ اقبال کے خطوط بیگم عطیہ فیضی کے نام (بخط اقبال)
۱۷۔ اقبال کی انگریزی تحریریں (بخط اقبال)
۱۸۔ کلام اقبال بخط اقبال
۱۹۔ لغت اور زبان کی باریکی پر اقبال کی نظر
۲۰۔ اقبال مصوروں کی نظر میں
۲۱۔ کلام اقبال مصوروں کی نظر میں
۲۲۔ اقبال کے اشعار ۔ خطاطی کے نمونے
۲۳۔ متفرقات

اقبال کے اساتذہ کی تصاویر اس گوشے کے لئے درکار ہیں جس کا عنوان ہے "اقبال کے اساتذہ" اس گوشے کے لئے میں اب تک صرف مندرجہ ذیل تصاویر MASTER COPY میں شامل کر سکا ہوں :-

مولینا رومی، مولوی میر حسن، حضرت داغ، پروفیسر آرنلڈ۔

جگن ناتھ آزاد

پتہ: ڈی۔ پی۔ آئی ۔ او پریس انفارمیشن
بیورو ریزیڈنسی روڈ، سری نگر (کشمیر)

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری کا نمبر ضرور تحریر کریں۔

(صفحہ ۵ سے آگے)

قدم قدم پر جبین بیچارگی سے ڈھلتا ہو پسینہ
تھی دل شکستہ مئے مسرت سے بزم ہستی کا آبگینہ

ایک دوسرا شعر ہے ؎

ضعیف مزدور ایک سرمایہ دار کے ساتھ جا رہا ہے
مال محنت کے پانے کے لئے اذیت اٹھا رہا ہے

یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے ناقدین کو شاد عارفی کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے لیکن ابھی تک ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا جا سکا۔ اس کی وجہ غالباً یہ بھی ہے کہ ابھی تک ان کا مکمل سرمایۂ شاعری شائع نہ ہو سکا۔ ادھر چند برسوں سے شاد عارفی کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جب تک ان کی تمام نظمیں اور غزلیں شائع نہیں ہو جائیں اس وقت تک منصفانہ تجزیہ ممکن نہ ہوگا ان کے طنز کی حقیقت تک رسائی ممکن نہ ہوگی۔ بطرح کوئی کہ بحیثیت طنز نگار ان کا رول مشکوک نظر آئے گا اور ظرافت و طنز کو لازم و ملزوم قرار دینے والوں کے نزدیک شاد عارفی کا طنز یہ ایک سوالیہ نشان بنا رہے گا۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

خانۂ دل۔
ابن احمد تاب
ادبی ٹرسٹ حیدرآباد
صفحات ۱۴۴ ، قیمت ۴ روپیے

۲۔ قاعدۂ ہندی ریختہ۔
مرتبہ محمد الغفار اشد
ادارۂ المخدوم ۔ ڈاکخانہ مندور۔ ضلع کرنول۔
صفحات : ۲۰۸ ، قیمت ۶ روپے ۳۰ پیسے

۳۔ دائرہ ۔
عابد عالی
گاندھی بک ڈپو، رہتک ، انجمن ترقی اردو رہتک ہریانہ
صفحات : ۱۴۳
قیمت : ۵ روپیے

انجمن کی خبریں

انجمن ترقی اردو بمبئی کی مجلس منتظمہ کی دو نشستیں

بمبئی: انجمن ترقی اردو کی مجلس منتظمہ کے دو جلسے ۱۸ر جولائی اور ۲۸ر جولائی ۱۹۸۳ء کو ہوئے جن میں مندرجہ ذیل اراکین نے شرکت کی۔

جناب مصطفیٰ فقیہ، ڈاکٹر اسحاق جمخانہ والا، جمال علوی، شہاب الدین دسنوی، سید محمد زیدی، پرواز اصلاحی، غلام احمد آرزو، ابوبکر تشنی، انجم رومانی، ایچ۔ ایچ خان، معین الحق صدیقی، شعیب صدیقی، احمد کمال خسرو اور سید یحییٰ رضا، حمید پٹھان۔

ان دو نشستوں میں:

۱۔ اراکین مجلس منتظمہ نے ممبر سازی اور ہماری زبان کی خریداری کے سلسلہ میں پورے تعاون کا اظہار کیا چنانچہ مجلس منتظمہ کے ہر رکن نے ممبر سازی اور ہماری زبان کے خریدار بنانے کی ذمہ داری کو قبول کیا۔ اور اہالیان بمبئی سے خاص طور سے اپیل کی کہ وہ انجمن ترقی اردو کی ممبر سازی کی مہم میں سرگرمی سے حصہ لیں اور انجمن کے اراکین نے جس حوصلے کے ساتھ اردو کی ترقی کے لئے قدم بڑھانے کا ارادہ کیا ہے اس کو تقویت پہنچائیں، ساتھ ہی ہماری زبان، جو کل ہند انجمن ترقی اردو کا خبرنامہ ہے بڑی تعداد میں اس کے خریدار بن کر اردو کی ترقی اور مسائل سے باخبر رہنے کی کوشش کریں۔

۲۔ انجمن ترقی اردو کی مجلس منتظمہ کے اراکین نے اترپردیش میں چار ہزار ٹیچروں کی تقرری کے سلسلہ میں گورنر یوپی جناب اکبر علی خاں کی خدمت میں ایک میمورنڈم پیش کرنے کی تجویز منظور کی چنانچہ ۲۹ر جولائی ۸۳ء کو یہ میمورنڈم گورنر کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

۳۔ یہ بھی طے کیا کہ انجمن کی ایک ذیلی شاخ شعبۂ خواتین کے نام سے قائم کی جائے تاکہ شہر بمبئی کی خواتین کی اردو سرگرمی تیز سے تیز تر ہو سکے اس سلسلہ میں محترمہ رضیہ نظام کو اس شعبۂ خواتین کا کنوینر مقرر کیا گیا۔

۴۔ انجمن کی مجلس منتظمہ نے طے کیا کہ ۱۴ر اگست ۸۳ء کو شب ۹ بجے جشن آزادی کے سلسلہ میں ایک جلسہ منعقد کیا جائے اس کا ایک حصہ مشاعرہ کے لئے وقف ہو جس میں شہر بمبئی کے بلند پایہ شاعروں کو شرکت کی دعوت دی جائے اور ایک حصہ میں ۱۹۴۷ء کے اعلیٰ ترین اداکار اپنی اداکاری کے تجربے بیان کریں اور دکھائیں۔ اس طرح ایک دلچسپ مفید اور ادبی نوعیت کا یہ جلسہ منعقد ہوگا۔ اہالیان بمبئی سے گزارش ہے کہ وہ اس جلسہ کو اپنے بھرپور تعاون سے کامیاب بنائیں۔

۵۔ نیز یہ بھی طے کیا کہ ریڈیو اور ٹی وی کے پروگراموں میں اردو کو خاطر خواہ جگہ نہیں مل رہی ہے اس سلسلہ میں اراکین اس کا تفصیلی مطالعہ کریں گے اور ایک رپورٹ خاکہ کی صورت میں پیش کریں گے اور اس کے بعد اراکین مجلس منتظمہ اپنی گزارشات ارباب حل و عقد کے سامنے رکھیں گے ہمیں امید ہے کہ ہم پوری مستعدی کے ساتھ اس کام کو بحسن و خوبی اختتام تک پہنچائیں گے۔

۶۔ آل انڈیا غیر مسلم اردو مصنفین کانفرنس جو ۱۰ اور ۱۱ر اگست ۱۹۸۳ء کو لکھنؤ میں ہونے جا رہی ہے اراکین نے اس سے پوری ہمدردی کا اظہار کیا اور کہا کہ اس قسم کی کانفرنسیں اردو کی ترویج و ترقی کے لئے مفید ہیں۔

۷۔ اراکین مجلس منتظمہ انجمن ترقی اردو بمبئی کے پیش نظر اردو کی ترقی کے سلسلہ میں اور بھی کام ہیں جس پر غور کرنے کے بعد کام شروع کیا جائے گا۔ اردو دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی تجویزیں ترقی اردو کے سلسلہ میں انجمن کے دفتر واقع صابو صدیق پالی ٹیکنیک روانہ فرمائیں۔

سید یحییٰ رضا۔ جنرل سکریٹری

انجمن ترقی اردو بمبئی کی طرف سے گورنر اترپردیش جناب اکبر علی خاں کی خدمت میں یادداشت

جناب عالی۔

اردو کمیٹی کی جانب سے دسمبر ۱۹۷۹ء میں شہر بمبئی میں ایک کل ہند اردو کنونشن منعقد ہوا تھا۔ اس کنونشن کا افتتاح وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے فرمایا تھا اس کنونشن میں مختلف نشستوں میں ہندوستان کی تقریباً تمام زبانوں کے دانشوروں اور ادیبوں نے شرکت کی تھی اور سب نے بالاتفاق اردو زبان کے مطالبات کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا تھا اور بیک آواز اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اترپردیش کی حکومت کو چاہئے کہ وہ اس علاقے میں اردو کو اس کا پورا حق دے اور دوسرے علاقوں میں بھی اردو کو وہ تمام حقوق ملنے چاہئیں جن سے وہ محروم کر دی گئی ہے۔

ابھی حال میں اترپردیش کی حکومت نے اعلان کیا کہ اردو بولنے والے طلبہ کو اردو پڑھنے کے سلسلہ میں تمام سہولتیں دی جائیں گی اور اس کے لئے پرائمری اسکول میں چار ہزار ٹیچروں کا تقرر عمل میں آئے گا اس خبر سے ملک میں اطمینان کی فضا قائم ہوئی اور یہ سمجھا گیا کہ اردو کنونشن میں جو جمہوری مانگ کی گئی تھی اس کے ایک حصہ کو حکومت نے اس طرح منظور کیا ہے۔ مگر اب ایسا محسوس کیا جا رہا ہے کہ حکومت کی جانب

سے اس خوش کن اعلان کے باوجود اتر پردیش کے انتظامی امور کی دیکھ ریکھ کرنے والے لوگ اس کو عملی جامہ پہنانے میں کوتاہی کر رہے ہیں اس کی وجہ سے اردو بولنے والے طبقے میں ایک مایوسی کی لہر دوڑ رہی ہے۔

جناب عالی ہم آپ کی توجہ کل ہند انجمن ترقی اردو کے سرکاری خبرنامے کے اداریہ اور خبروں کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جو یکم رجولائی اور ۱۵ رجولائی کے شمارے میں شائع ہوئے ہیں (ہماری زبان کے دو شمارے پیش خدمت ہیں) ان شماروں میں ایسی خبریں شایع ہوئی ہیں کہ حکومت اتر پردیش کے انتظامی امور کی دیکھ ریکھ کرنے والوں نے اردو ٹیچروں کی بحالی کے وقت خاطر خواہ اور پُر خلوص طریقے پر کام انجام نہیں دے ہیں تاکہ اردو پڑھانے والے مدرسین جن کا تقرر عمل میں آرہا ہے وہ صرف اردو پڑھانے کی صلاحیت ہی نہ رکھتے ہوں بلکہ دوسرے مضامین بھی اردو زبان کے ذریعہ پڑھا سکیں، ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ باوجود دیگر زوردار وعدے اردو کے سلسلہ میں کئے گئے ہیں مگر اردو کا مسئلہ جوں کا توں ہی رہے گا۔

جناب عالی، ہم آپ سے پُر زور گزارش کرتے ہیں کہ اردو کے سلسلہ میں آپ کی ذاتی دلچسپی اتر پردیش کے اردو بولنے والوں کے مطالبات کو پورا کرنے میں مدد دے گی آپ اس وقت اتر پردیش کے حاکم اعلیٰ ہیں آپ کی توجہ ملک کے لاکھوں افراد کے دلوں میں ایک اطمینان کی فضا پیدا کر سکے گی۔ ملک کے لاکھوں افراد اس بات کے لئے بیتاب ہیں کہ اردو کے ساتھ انصاف کی راہ اختیار کی جائے۔

آپ کے خیر خواہ منجانب
صدر انجمن ترقی اردو بمبئی مصطفیٰ فقیہ

شری اکبر علی خاں گورنر اتر پردیش نے کہا کہ چار ہزار ٹیچروں کی تقرری کے سلسلہ میں جو کوتاہیاں کی گئی ہیں ان کا ہمیں علم ہے۔ ہم نے بڑا سخت حکم جاری کیا ہے کہ چار ہزار نئے ٹیچر ہی بحال کیے جائیں اس لئے کہ بیروزگاری کا مسئلہ بھی ہمارے سامنے ہے ہم چاہتے ہیں کہ چار ہزار با صلاحیت اور نئے مدرسوں کی تقرری عمل میں آئے۔

جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو بمبئی

انجمن ترقی اردو سنبھل کے وفد کی ضلع انسپکٹر تعلیم سے ملاقات

سنبھل: انجمن ترقی اردو سنبھل کے ایک وفد نے انجمن کے جنرل سکریٹری جناب سعادت صدیقی کی قیادت میں ضلع انسپکٹر آف اسکول جناب قمر حسن سے ملاقات کرکے انھیں ضلع کے تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم کا مناسب بندوبست کرنے کے لئے توجہ نامہ پیش کیا۔ وفد نے ضلع انسپکٹر کی توجہ سنبھل کے ان تعلیمی اداروں کی طرف مبذول کرائی جہاں اردو پڑھنے کے خواہش مند طلبہ کو محرومی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ وفد نے یہ مطالبہ بھی کیا کہ شہر کے ہر اسکول میں اردو پڑھانے کا فوری انتظام کیا جائے۔

ضلع انسپکٹر نے وفد کی باتوں کو نہایت سنجیدگی سے سنا اور وعدہ کیا کہ وہ تعلیمی اداروں میں اردو کی تعلیم کا بندوبست کرانے کے لئے ہدایات جاری کریں گے۔

• تنزیل احمد آفس سکریٹری

نظام آباد میں اردو طالبات کے مسائل

نظام آباد: انجمن ترقی اردو شاخ نظام آباد کا اجلاس الحاج حافظ عبد الکریم صاحب صدر انجمن کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ اجلاس میں ایک قرارداد بھی منظور کی گئی۔ جس میں گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول نظام آباد کو اردو میڈیم کے جونیر کالج میں تبدیل کرتے ہوئے طالبات کے لئے اعلیٰ تعلیم کی سہولت مہیا کرنے کی اپیل کی گئی ہے قرارداد میں کہا گیا ہے کہ نظام آباد شکر نگر بودھن اور بلا ریڈی گرلز ہائی اسکول کی ایس۔ ایس۔ سی کامیاب طالبات کی قابل لحاظ تعداد اردو کی اعلیٰ تعلیم کی خواہشمند ہے۔

انجمن ترقی اردو نظام آباد نے ارباب مجاز سے ضلع پریشد گرلز ہائی اسکول آرمور میں نویں اور دسویں جماعتوں کے قیام کی بھی اپیل کی ہے۔ • نامہ نگار

جونیر کالج بدایوں میں اردو جماعت ہشتم

بدایوں: جناب تمکین آفاقی معتمد انجمن ترقی اردو بدایوں کے بموجب ناظم تعلیمات اور مہتمم تعلیمات کریم نگر نے انجمن کی نمائندگی پر جونیر کالج بدایوں میں اردو ذریعہ تعلیم کی (۸) ویں جماعت کے قیام کی منظوری دے دی ہے۔

• نامہ نگار

اخباروں سے تراشے

اردو تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے محبان اردو کی توجہ کے لئے

اس ماہ دلی میں اردو تعلیم کے مسئلہ کے اعلیٰ سطح پر زیر بحث آنے کی توقع ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ ضروری معلومات درکار ہیں محبان اردو سے جو دلی کے مختلف علاقوں میں رہتے ہیں اور سماجی کام کرتے ہیں درخواست ہے کہ وہ ان سوالات کا جواب ذیل کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

کیا آپ کے قریب اردو پرائمری اسکول میں سبھی ٹیچر اردو جانتے ہیں۔

کیا اردو ذریعۂ تعلیم کے ہائر سکنڈری یا مڈل اسکول میں تمام ٹیچر اردو جاننے والے یا اردو جاننے والی ہیں۔ اگر نہیں تو کتنی ٹیچر ایسی ہیں۔

کیا حساب اور سائنس پڑھانے والی اردو جاننے والی ٹیچر ہیں۔

کیا آپ کے خیال میں دلی شہر یا فصیل سے باہر کے کیا کسی علاقے میں پرائمری اسکولوں کی اور ضرورت ہے۔

کیا اردو ذریعۂ تعلیم کے لئے لڑکوں کے صرف تین ہائر سکنڈری اسکول کافی ہیں اس سلسلہ میں اگر کچھ اساتذہ یہ اعداد و شمار بتا سکیں کہ کتنے بچے داخلوں سے محروم اور نویں کلاس میں رہ جاتے ہیں، تو یہ اردو کی بڑی خدمت ہوگی۔

جملہ امور کے سلسلہ میں انجمن ترقی اردو کو اپنی اطلاعات میں اضافہ مقصود ہے تاکہ وہ پوری تفصیلات مہیا کر سکے۔

بہار برنی جائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو دلی پردیش علی منزل، کوچہ پنڈت۔ دہلی ۶

• الجمعیۃ دہلی

اردو تعلیم کے سلسلے میں سرکاری مراعات

لکھنؤ۔ بیگم سلطانہ حیات نائب صدر انجمن ترقی اردو اتر پردیش نے ایک بیان میں کہا ہے کہ حکومت نے اردو کو مراعات دینے کے سلسلے میں کچھ عملی قدم اٹھائے ہیں۔ اس سلسلے میں انجمن نے حکام متعلقہ سے رابطہ قائم کر کے مندرجہ ذیل باتیں معلوم کی ہیں۔

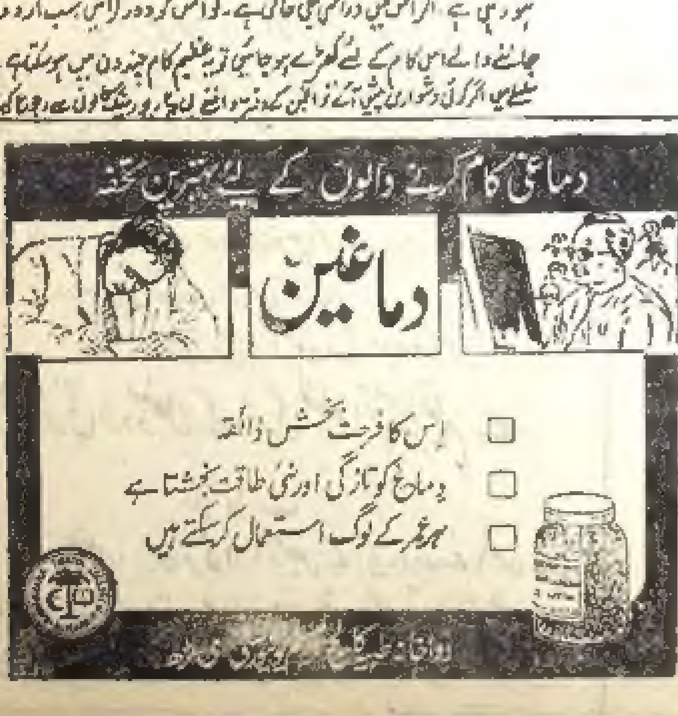
اساتذہ کا ٹرینڈ ہونا ضروری ہے اور یہ قاعدہ سب کے لئے ہے۔ اردو ٹیچروں کو اس سے صرف چند سال کے لئے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے اردو کے ان ٹرینڈ ٹیچروں کو جو اس وقت سرکاری ملازم ہیں ٹریننگ کے لئے بھیجا جا رہا ہے۔ یہ ایسے ٹیچروں کے حق میں اچھا ہے جن کی ملازمت صرف چند سال پرانی ہے۔

یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ان ٹیچروں کے ٹریننگ میں چلے جانے کی وجہ سے اکثر اسکولوں میں کوئی اردو پڑھانے والا نہیں رہا یہ حالت تشویشناک ہے۔ انجمن نے اس سلسلہ میں حکام بالا سے رجوع کیا۔ اور اب یہ طے پایا ہے کہ اگر کوئی اسکول ایسا ہے تو وہاں فوراً اردو جاننے والا ٹیچر بھیجا جائے گا۔ محکمہ تعلیم سے بھی ایسے اسکولوں کا جائزہ لینے کی درخواست کی جا رہی ہے مگر یہ کام ہمدردان اردو کا ہے۔ اگر کوئی اسکول ایسا ہے تو اسکول کے نام و پتہ سے انجمن کو مطلع کیا جائے توقع ہے کہ ہفتہ دس دن میں وہاں اردو پڑھانے والا ٹیچر پہنچ جائے گا۔

محکمہ تعلیم نے اعلان کیا ہے کہ وہ اردو جاننے والے ۳۳۳۳ ٹیچروں کو ملازم رکھے گا۔ اس سلسلے میں ڈر یہ تھا کہ اگر رشوت اور رسوخ کی بنا پر ایسے اساتذہ رکھ لئے گئے جو خود اردو سے ناواقف ہیں تو پھر اردو کی ترقی کا خواب کبھی شرمندہ حقیقت نہ ہو پائے گا چنانچہ محکمہ تعلیم نے چند اصول بنائے ہیں، جن کی بنا پر ٹیچروں کی تقرری ہوگی۔ ڈگری اور ٹریننگ وغیرہ کو معیار بنایا گیا ہے۔

اگر کسی جگہ ایسے ٹیچروں کا تقرر ہو جاتا ہے جو اردو سے اچھی طرح واقف نہیں، تو اس کا تدارک کرانا ہمارا فرض ہے۔ پورے اتر پردیش میں ہزاروں اسکول ہیں۔ ہمیں ہر اسکول کا جائزہ لینا ہے جہاں اردو پڑھنے والے طلبہ کے داخلے کا امکان ہے یہ کام انتہائی ضروری اور بڑا ہے۔ طریقۂ کار یہ ہو سکتا ہے کہ چند کارکن اپنی ایک چھوٹی سی پارٹی بنائیں اور اپنے علاقہ کے اسکولوں کا جائزہ لے لیں اور دیکھیں کہ اردو کی پڑھائی کس نوعیت سے ہو رہی ہے۔ اگر اس میں ذرا سی بھی خامی ہے۔ تو اس کو دور کرائیں سب اردو جاننے والے اس کام کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو یہ عظیم کام چند دنوں میں ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی دشواری پیش آئے تو انجمن کے دفتر سے واضح لائحۂ عمل اور مشوروں سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔

قومی آواز



میرٹھ میں بیسک شکشا ادھیکاری کی ہٹ دھرمی

میرٹھ:۔ مولانا قمرالاسلام صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء میرٹھ نے جمعیۃ العلماء کے ایک جلسے میں بتایا کہ اگرچہ شہری جمعیۃ ٹیچروں کی تقرری کے سلسلہ میں محکمۂ تعلیمات کے ساتھ پوری طرح تعاون کرنا چاہتی ہے لیکن بیسک شکشا ادھیکاری نے انتہائی سرد مہری سے کام لیا اور ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اردو ٹیچروں کی اگر بالکل نہیں تو مطلوبہ تعداد سے بہت کم تقرری عمل میں آسکے۔

شکشا ادھیکاری یہ بھی نہیں بتا رہے ہیں کہ وہ کتنے ٹیچر رکھیں گے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ہندی ٹیچروں ہی سے یہ لکھا کر کہ وہ اردو جانتے ہیں اردو کے ٹیچروں کی جگہیں پُر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

• الجمعیۃ۔ دہلی

اردو درخواستوں کا حشر

بلرام پور ضلع گونڈہ میں چک بندی کے اہلکار اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں قبول نہیں کرتے ہیں اور اگر درخواستیں لے بھی لیں تو ان پر کوئی کارروائی نہیں کرتے میں نے موضع محمد نگر گرنٹ میں اپنے چک کی پیمائش کے واسطے ایک درخواست جناب اے۔ سی۔ او صاحب کی خدمت میں اردو میں پیش کی تھی مگر میرے بار بار کہنے پر بھی آج تک میرے چک کی پیمائش نہیں ہوئی۔

اے۔ سی۔ او صاحب کے یہاں ۱۰ر جولائی کو ان کے سرکل کے ایک گاؤں سفر آتور کے ایک کاشتکار نظام الدین خاں صاحب نے ایک چک کی پیمائش کے واسطے ایک درخواست اردو میں دی مگر درخواست کی سنوائی ہونا درکنار الٹے انھیں کو ڈانٹ سننا پڑی۔ ایسے افسران سے اگر باز پرس نہ کی گئی تو اردو کے متعلق حکومت کی پالیسی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

غلام محمد صابر خاں۔ ڈائرکٹر بلرام پور سنٹرل کوآپریٹیو بینک لمیٹڈ بلرام پور۔

• قومی آواز۔ لکھنؤ

(صفحہ ۱۲ سے آگے)

اہل حق (حضرت اہل بیت) کے موقف کو
سراہا جو ماشاء اللہ آپ کی علوئے طبع
اور سلامتِ ذوق کی دلیل ہے۔"

اتنے وسیع، محکم اور مستحضر علم پر مولانا کی کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا! باوجودیکہ مولانا کلاسیکل سرمایۂ ادب پر نہایت عبور رکھتے تھے۔ لیکن وہ موجودہ ادب اور اس کے رجحانات سے بھی اپنے آپ کو پوری طرح باخبر رکھتے تھے۔ دراصل مسلسل مطالعہ اور درس و تدریس مولانا کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اور انھیں علمی اور ادبی معاملات میں دوسروں کی رہنمائی کرنے میں مطلق پس و پیش نہیں ہوتا تھا اور وہ اپنے شاگردوں سے خاص طور پر انسیت رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے "ہماری زبان" میں اقبال پر ایک سلسلۂ مضامین لکھا تھا۔ مولانا نے اسے پسند فرمایا اور بڑی فراخدلی بلکہ مبالغہ کے ساتھ ہمت افزائی فرمائی۔ لیکن چونکہ مولانا کے علم کی پوری اساس عربی اور فارسی کے سرمائے پر مبنی تھی۔ اسی لئے وہ تنقید کے جدید ترین طور طریقوں سے آشنا نہیں تھے اور زبان اور اخلاقی نقطۂ نظر پر ضرورت سے زیادہ زور دیتے تھے۔ نظیر اکبرآبادی پر ان کا مضمون اس کی ایک بین مثال ہے۔ قطع نظر اس امر کے مولانا کی پوری زندگی صحیح معنوں میں اور مثالی طور پر ایک عالم اور استاد کی زندگی تھی۔ وہ یونیورسٹی کی سیاست اور اس کے خلفشار سے ہمیشہ دامن کشاں رہے۔ ان کی یہ روش ان لوگوں کے لئے اپنے اندر ایک سبق رکھتی ہے جو بلاوجہ ہر معاملے میں "ٹانگ اڑانا" اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں اور اسی طرح اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے۔ مولانا سے میری آخری ملاقات ۱۷ر جون کو ایک تقریب میں ہوئی۔ تقریباً دو گھنٹے ہم دونوں دوسروں سے الگ تھلگ ایک گوشہ میں بیٹھے مصروف گفتگو رہے۔ گفتگو کا موضوع زیادہ تر مثنوی مولانا روم تھی۔ میں مولانا سے مثنوی کے بعض موضوعات کے بارے میں استفسار کرتا رہا، اور وہ بہت صبر و سکون اور اپنی طبعی سادگی وزن و وقار اور مخصوص شفقت کے ساتھ میرے سوالات کا جو زیادہ تر کم فہمی بلکہ نادانی پر مبنی تھے، حتمی جوابات دیتے رہے۔ اس کے بعد ان سے ملنا نصیب نہیں ہوا۔ اس وقت یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس قدر جلد مولانا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے۔ عربی زبان کا یہ مقولہ کہ "ایک عالم کی موت ایک عالم کی موت ہے" مولانا کے انتقال پر کس درجے صادق آتا ہے!

اسلوب احمد انصاری

میرا صفحہ

۷ اور ۸ جولائی کی درمیانی شب میں عربی، فارسی اور اردو کے متبحر عالم مولوی ضیاء احمد بدایونی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور وہ اپنے خالقِ ایزدی سے جا ملے۔ ضیاء صاحب مرحوم بدایوں کے مردم خیز خطّے کے ایک معروف اور ممتاز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وہیں عربی کے ایک جیّد عالم مولوی محب احمد صاحب سے آپ نے عربی کی تعلیم مکمل کی اس کے بعد بریلی سے فارسی میں ایم۔ اے کیا۔ اور الٰہ آباد یونیورسٹی میں کچھ عرصے تحقیق کے کام میں مصروف رہنے کے بعد ۱۹۲۶ء میں مسلم علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے منسلک ہو گئے۔ غالباً ۱۹۴۶ء میں پروفیسر اور صدر شعبہ کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۹۵۸ء میں میں نے علی گڑھ میں داخلہ لیا، اور متواتر چار سال تک فارسی کے طالب علم کی حیثیت سے مجھے مولانا کی شاگردی کا فخر حاصل رہا۔ پھر ۱۹۶۲ء میں انگریزی میں ایم، اے کی سند لینے کے بعد جب میں نے ایم، اے (فارسی) میں داخلہ لیا تو دوبارہ مولانا سے مستفیض ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مولانا بہت متین، خاموش، منکسر المزاج اور مرنجان مرنج لیکن بہت جامع اور ٹھوس علمیت والے آدمی تھے درس و تدریس میں بھی ان کا یہی انداز تھا۔ وہ طالب علموں پر چھا جانے اور اثر ڈالنے کی بجائے۔ ان کی صحیح معنوں میں رہنمائی کرتے تھے۔ اور فارسی انشاء میں خاص طور پر بہت محنت اور توجہ سے اصلاح دیتے تھے۔ علی گڑھ میں اپنی طالب علمی کے زمانے میں اور اس کے بعد بھی میرے تجربے میں صرف دو استاد ایسے آئے، جن سے جب کبھی کسی بھی علمی اور ادبی معاملے میں رہنمائی کے لئے رجوع کیا، تو انھیں عاجز نہیں پایا۔ ان میں ایک میرے انگریزی کے استاد پروفیسر خواجہ منظور حسین صاحب تھے، اور دوسرے مولوی ضیاء احمد مرحوم۔ گو کہ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ پروفیسر محمد حبیب مرحوم کے بارے میں بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے۔ لیکن راقم الحروف کو کبھی ان سے سابقہ نہیں پڑا۔ موجودہ عام روش کے برعکس ضیاء صاحب تعمیات خطابت، زورِ بیان، اور لفاظی پر تکیہ نہیں کرتے تھے۔ نفسِ مضمون پر ان کی نظر بہت گہری تھی اور متن سے وہ پوری واقفیت رکھتے تھے، تجزیے، استدلال اور منطق اور تحکم انداز بیان، جس میں رنگین بیانی کی بجائے سادگی، گہرائی اور متانت پائی جائے۔ ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ مشکل اشعار کا مطلب واضح کرنے کیلئے ان میں بڑا ملکہ تھا، جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ وہ زبان اور روزمرہ کی ساخت اور ان کے ماخذ سے بخوبی واقف تھے۔ کلاسیکل ادب کا ان کا مطالعہ بہت گہرا اور وسیع تھا۔ ان کی شہرت کا سنگ بنیاد قصائد مومن کی شرح تھی جو غالباً ۱۹۲۵ء یا ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ پھر غزلیاتِ مومن کی شرح کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں نکلا اور اس کے بعد یہ شرح اتنی مقبول ہوئی کہ اب تک اس کے چار ایڈیشن چھپ چکے ہیں یہ دونوں شرحیں مولانا کی سوجھ بوجھ، ژرف نگاہی اور متوازن قوتِ فیصلہ پر دال ہیں۔ مولانا آخری وقت تک اپنے کاموں میں مصروف رہے۔ یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوش ہونے پر وہ کچھ عرصے تک انجمن ترقی اردو میں لغت کی تیاری کے کام کی نگرانی کرتے رہے، پھر اسی نوعیت کے کام کے سلسلے میں دہلی یونیورسٹی سے منسلک ہو گئے۔

مولانا برابر مطالعہ میں غرق رہتے اور مختلف علمی اور ادبی موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔ ان کے مضامین کے ضخیم مجموعے "مسائل و مباحث" پر انھیں اردو اکیڈمی کی طرف سے اس سال کے آغاز میں حکومت یوپی نے انعام بھی دیا تھا۔ مولانا اپنے معتقدات میں بہت سخت اور کھرے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا جب محمود عباسی کی کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" شائع ہوئی تو مولانا کو اسے پڑھ کر بہت صدمہ ہوا اور انھوں نے اس کا منہ توڑ لیکن انتہائی مدلل جواب "قولِ سدید" کے عنوان سے شائع کیا۔ گزشتہ سال رمضان المبارک کے مہینے میں "جلوۂ حقیقت" کے نام سے مذہبی مضامین پر مشتمل مولانا کی ایک اور کتاب شائع ہوئی۔ انھوں نے از راہِ شفقت اس کا ایک نسخہ مجھے بھیجا۔ اس پر میں نے اپنی رائے انھیں لکھ کر بھیجی۔ جس کے جواب میں ۲۰ راکتوبر کے گرامی نامے میں انھوں نے لکھا:

> "عنایت نامہ مل کر دوگونہ مسرت کا باعث ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ آپ نے اس کتاب کے متعلق اظہار پسندیدگی فرمایا سچ پوچھئے تو آپ کے جملوں نے خود میری نظر میں میری قدر و قیمت بڑھا دی، دوسرے اس وجہ سے کہ آپ نے از راہِ حق شناسی

(باقی صفحہ ۱۹ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپا یا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔